شیعوں کی تازہ زندگی

مجاہد ملت جناب سید ابن حسین نقوی صاحب طاب ثراہ
جنرل سکریٹری امامیہ مشن، لکھنؤ

'لڑاؤ' اور راج کرو، (Divide and Rule) کی سیاست کتنی پرانی ہے، نہیں معلوم، لیکن ہندوستان پر راج کرنے والے پردیسی گوروں نے اپنے سیاسی مفاد میں اس میٹھے سے زہر کے خاموش انجکشن کا استعمال جیسے کیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ انہوں نے ہندوستان میں اس کا بیج بویا، مزے سے فصل اگائی اور کاٹی اور موج مستی اڑائی۔ ہندوستان چھوڑنے سے پہلے انہوں نے دیسی راج (Home rule) کا شوشہ چھوڑا اپنی سرپرستی میں ریاستی اسمبلیاں قائم کیں۔ (ہوسکتا ہے، یہ اپنے سیاسی جانشینوں کو تیار کرنے کے قواعد ہو)۔ اسی کے تحت یو پی۔ یعنی (یونائٹڈ پراونس آف اودھ اینڈ آگرہ) میں کانگریس کی حکومت بنی۔ اس نے مسلم لیگ کے 'علیحدہ' محفوظ ووٹ بینک میں سیندھ لگانے اور مسلمانوں کی اکثریت کو رجھانے کی خاطر 'مدح صحابہ' کا شاخسانہ گڑھا، جلد بازی میں ایک اعلامیہ (Communique) جاری کر دیا جس کی رو سے مسلمانوں کے اکثریتی فرقہ کھلے عام 'مدح صحابہ' کا نیا نیا تراشا حق دیا گیا۔ اقلیتی فرقہ نے سمجھا یا اسے جتایا گیا کہ اس کی حق تلفی ہے یعنی اس کے مانے ہوئے پرانے حقوق کے چھیننے کا پیش خیمہ ہے۔ پھر کیا تھا اس نے اپنی ساری (سیاسی، سماجی، معاشی وغیرہ) توتوں کو داؤں پر لگا دیا۔ دھماکہ دار لیکن غیر متشدد (Non-Violent) زبردست احتجاج درج کیا۔ اس کے مثبت اور بروقت اثرات پر زیر نظر مضمون میں تفصیلی انداز میں بخوبی روشنی ڈالی گئی ہے۔ احتجاج جو 'محاذ حسینی' کے بینر کے تلے کیا گیا اور عرف عام میں 'تبرا ایجیٹیشن' کہا گیا، اس کے ایک 'سپاہی' تھے مضمون نگار جو امامیہ مشن، لکھنؤ کے سکریٹری بھی تھے اور تاحیات رہے۔ احتجاج کا بروقت نتیجہ تھا کہ کانگریس اعلیٰ کمان تک میں ہلچل پیدا ہوئی اور وہ کمیونک جلد ہی واپس لے (Willdraw) لیا گیا۔ یعنی وہ نیا نویلا بنا بنایا حق انکھوا آنے سے پہلے غائب ہو گیا۔ (مٹا نہیں بلکہ مٹی میں دفن کر دیا گیا کہ آگے انکھوا نکلے اور فصل لہلہائے)۔ اس پوری قواعد میں 'Divide' کا مقصد تو پورا ہو گیا اور Rule کا بھی۔ بہرحال یہ احتجاج کئی معنوں میں تاریخی رہا۔ اسی کے پیش نظر یہ مضمون قارئین شعاع عمل کی ضیافت نظر کے لئے پیش ہے۔ (ادارہ)

شیعوں کی تازہ زندگی

کربلا کے واقعے کو دو برس کم تیرہ سو سال گزر چکے ہیں، بنی امیہ اور بنی عباس کے مظالم تاریخ کی کتابوں میں مٹتے ہوئے نقوش کی صورت میں باقی رہ گئے تھے، بغداد کے اس قصر کی دیواریں منہدم ہو گئی تھیں جن میں سادات کے خون کا گارا دیا گیا تھا اور ان مکانات کا اب نشان نظر نہ آتا تھا جن میں شیعانِ علیؑ زندہ چنے گئے تھے۔

محلہ کرخ بغداد کے شیعوں کا قتل عام صدیوں کی بات ہو گئی، شاہ سلیم عثمانی کے حکم سے بلخ و بخارا کے ہزاروں شیعوں کی خوں ریزی کا افسانہ قدیم روایات میں داخل ہو گیا۔

دنیا میں تمدن اور آزادی مذہب کی ترقی کے ساتھ شیعوں کو آرام اور اطمینان کی سانس لینے کا موقع مل گیا، اور ان کے ذاتی شریفانہ اوصاف اور بلند صلاحیتوں کے سبب سے طویل عرصہ تک بہت سے حصوں میں دنیا کے ان کی سلطنتیں قائم ہو گئیں، خود ہندوستان میں شیعوں کا ملکی اقتدار ابھی کل کی بات ہے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قوم شیعہ کی وہ تاریخی مظلومیت اور جذبۂ قربانی جو ابتداءِ نشو و نما سے اس قوم کے آب و گل میں داخل تھا بہت حد تک دنیا کو فراموش ہو گیا بلکہ خود اس قوم کے افراد کو اس کا احساس جاتا رہا۔

شیعہ قوم دنیا میں ایک راحت پسند، آرام طلب، بے عمل

جماعت سمجھی جانے لگی اور یہ خیال اتنا ہمہ گیر ہوا کہ خود اس قوم کے افراد نے بھی اپنے متعلق یہی رائے قائم کر لی۔ ان کو لکھنے والوں نے ملت گریہ کن کہا، اور انہوں نے بھی اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر گویا اس لقب کو قبول کر لیا۔

ضرورت تھی ایک ایسے ابتلاء اور امتحان کی، ضرورت تھی ایک ایسے قربان گاہ وفا کی جہاں دل کی گہرائیوں میں چھپے ہوئے جوہر محبت اور جذبۂ قربانی کے مظاہرہ کا موقع آئے اور وہ دبی ہوئی چنگاری جو مدت کے پیدا شدہ حالات کی بنا پر خاکستر کے تہ بہ تہ طبقوں میں پوشیدہ ہو کر محسوس بھی نہ ہوتی تھی اور اگر زمانہ اسی طرح گزرتا جاتا تو شاید وہ ایک وقت میں بجھ جاتی۔

ایک ایسے مشتعل کن قوی سبب کی ضرورت تھی جو ایک مرتبہ اس چنگاری کو بھڑکا کر اس کے شعلوں کو بلند کر دے۔ یہ تھا وہ ۳۰ مارچ ۱۹۳۹ء کا کمیونک جس نے قوم شیعہ کے بجھتے ہوئے چراغ احساس کو ایک مرتبہ روشن کر دیا۔

۳۰ مارچ کا کمیونک کیا تھا؟ شیعوں کی خودداری کو ایک کھلا ہوا چیلنج، ظاہر بیں لوگ ممکن ہے کہ اس کی ظاہری حیثیت کو بالکل سبک سمجھیں اور عملی طور پر وہ ہے بھی سبک، کیونکہ جس فریق کی اس میں اشک شوئی کی گئی ہے حقیقتاً وہ اس کے لئے انتہائی اہانت آمیز ایک پیشکش ہے جو ان کے مطالبے کا کوئی جز نہیں بلکہ اس سے بالکل متضاد ہے۔

کہاں تو مطالبہ یہ کہ سال کے ۳۶۵ دن ہر وقت ہر لمحہ ہر جگہ علانیہ طور پر بلا کسی قید کے حق دیا جائے اور کہاں یہ اعلان کہ سال میں صرف ایک دن وہ بھی ایک خاص وقت پر وہ بھی ایک مخصوص جگہ جو تاروں وغیرہ کے ذریعے سے محدود بھی کر دی گئی ہو، اس نگرانی اور ان شرائط کے ساتھ جو مقرر کر دیئے جائیں۔ حالانکہ سوال غیر محدود مقام پر علانیہ مدح کا تھا، نہ ایک ایسی جگہ کہ جس کو محدود بنا دیا گیا ہو۔

اس اعتبار سے بیشک اس اعلان کی کوئی بھی اہمیت نہیں رہتی لیکن یاد رکھنا چاہیئے کہ جس مقام پر سوال اصول کا درپیش ہو وہاں ایک چھوٹی سی چیز بھی بڑے سے بڑے اقدام کو حق بجانب قرار دے دیتی ہے۔ ابھی تھوڑے دن کی بات ہے کہ صرف چند قیدیوں کی عدم رہائی کی بنا پر ملک کے ساتوں صوبوں کی کانگریسی وزارتیں استعفیٰ داخل کرنے پر تیار ہو گئی تھیں اور سب میں آگے آگے ہمارے صوبہ کے وزیر اعظم اور صوبہ بہار کے وزیر اعظم نے تو اپنے طولانی استعفیٰ بھیج بھی دیے تھے۔

حالانکہ سیکڑوں قیدیوں کے متعلق کانگریس کی خواہش پوری ہو چکی تھی، صرف انگلیوں پر شمار کئے جانے والے قیدیوں کا سوال رہ گیا تھا۔ اس کے لئے تمام نظام سلطنت کو درہم برہم کیا جا رہا تھا، جو تقریباً ۲۰ سال کی جدو جہد کے بعد کانگریس کو حاصل ہوا ہے۔

یہ کیا تھا؟ ملک کے تمام مفاد کو کیا صرف چند افراد پر قربان کیا جانا صحیح قرار دیا جا سکتا ہے؟ مگر کہا گیا کہ یہ سوال اصول کا ہے، اگر گورنروں کی مداخلت اس معاملے میں تسلیم کر لی جائے تو وزرا کی حکومت ہی بیکار ہو جائے گی۔

۳۰ مارچ کے کمیونک کو شیعہ قوم نے اسی نقطہ نظر سے اپنے حیاتِ ملی اور عزت قومی کے لئے فنا کا پیغام سمجھا۔ کمیونک شاید کاغذ پر صاف لکھا بھی نہ گیا ہوگا کہ شیعہ قوم میں اس کی اطلاع پا کر بے چینی اور اضطراب پیدا ہو گیا۔ انہوں نے اس میدان میں قدم رکھ دیا جس کے تمام آئندہ خطرات ان کے پیش نظر تھے۔

انہوں نے عمل کی اس منزل کو طے کرنے کا فیصلہ کر لیا جو ان کے احساس خودداری کا مظاہرہ کر سکے، یقین سمجھنا چاہیئے کہ مقصد اور نتیجے کے اعتبار سے شیعہ قوم میں کوئی ایک فرد بھی ایسی نہ مل سکے گی جس نے اس کمیونک کے مضر اثرات کا اندازہ نہ کیا ہو اور اس کو بے محل، غلط اور اپنے مذہبی مقاصد کے لئے پیغام فنا نہ سمجھ لیا ہو۔

ممکن ہے کہ کچھ دوررس بالغ نظر ارباب فکر جو سخت سے سخت مواقع پر بھی دل و دماغ کے احساسات میں توازن قائم رکھنے کے عادی ہیں، وہ طریقہ کار کے لحاظ سے کسی دوسری

معتدل صورت عمل کا بھی تصور رکھتے ہوں، مگر عام افراد کے جذبات اور احساسات کے لحاظ سے قوم شیعہ نے اس وقت وہی کیا جو ایک غیور، حساس، زندہ جمہور کے افراد کو کرنا چاہیئے۔

اغیار سمجھتے ہوں گے اور اپنے افراد بھی بہت سے ڈرتے ہوں گے کہ یہ تحریک ممکن ہے چندروزہ ثابت ہو، شیعوں کا جوش کہا جاتا ہے "سوڈا واٹر کا ابال ہے" وقتی ہنگامہ ہوا اور ختم ہوگیا، یہ بھی اندیشہ تھا کہ باہمی اختلافات قوم کے شیرازے کو منتشر نہ کردیں، یہ بھی خطرہ تھا کہ مالی کمزوریاں اس مہم کو کامیاب نہ ہونے دیں، یہ بھی امکان محسوس ہوتا تھا کہ حکومت کی سردمہریاں جذبۂ مایوسی کو پیدا کر کے قوت عمل کو ختم کردیں، مگر قوم شیعہ نے اس تحریک کو شروع کرنے کے بعد جس یکجہتی، ہم آہنگی، اتحاد عمل، ایثار اور قربانی کا مظاہرہ کیا ہے اس نے دنیا کو انگشت بدنداں کردیا۔

لکھنؤ کے شیعوں نے یہ ایجیٹیشن صرف اپنے جذبۂ ایمانی سے، اپنی ہمت و احساس کے سہارے شروع کیا تھا۔ انہوں نے نہ دوسرے اطراف ملک سے کوئی مراسلت کی تھی نہ اپنی تحریک کو پہلے سے شائع کر کے ہم سایہ جماعتوں کی ہمدردی حاصل کی تھی اور نہ کوئی اس کے لئے نظام مقرر کیا تھا۔

مگر کیا کہنا اس حسینیت کے متحد نظام کا، تسبیح فاطمہؑ کے دانے ظاہر میں منتشر ہوں مگر محبت وولا کا ایک رشتہ ان سب کو متحد بنائے ہوئے ہے، لکھنؤ سے "امامن ناصر ینصرنا" کی آواز بلند ہونا تھی کہ حسینی جانباز اور قومی سرفروش سربکف اور کفن بدوش میدان قربانی کی طرف دوڑ پڑے۔

وہ ظاہر میں صرف جیلوں کو آباد کرنے کے لئے آرہے تھے مگر ان کا جوش و ولولہ اعلان کرتا تھا کہ ہماری زندگی برباد ہوجائے تو بھی کوئی پرواہ نہیں، ہم اپنی جان کو بھی مذہب کے نام پر قربان کرنے کے لئے تیار ہیں۔

صوبے کے جیل خانے یوپی ہی کے اسیروں سے چھلکنے لگے تھے، اس وقت پنجاب، سرحد اور سندھ کے ایسے دور دراز مقامات سے مجاہدین کے سیلاب نے لکھنؤ کا رخ کیا اور ایک مہینہ سے کچھ زیادہ زمانہ گزرا تھا کہ تعداد جیل جانیوالوں کی دس ہزار سے اوپر ہوگئی۔

نفسیاتی حیثیت سے دیکھا جائے تو سب سے نازک موقع قوت عمل کمزور بنانے کا اس وقت تھا جب مختلف تدابیر، طرح طرح کے مواعید اور وقتی طفل تسلیوں سے مدد حاصل کر کے ۱۲ ربیع الاول کو مخالف جماعت کا جلوس ظاہری امن و امان کے ساتھ نکلوا دیا گیا۔

قرائن بتلاتے ہیں کہ خود حکام کو بھی شاید خیال یہی تھا کہ یہ جو کچھ بھی شورش و ہنگامہ ہے وہ ۱۲ ربیع الاول تک باقی رہے گا جبکہ وقتی کامیابی کی امید ہے لیکن ۱۲ ربیع الاول کو اس جلوس کے اٹھ جانے کے بعد ہمتیں پست، دل شکستہ اور طاقتِ عمل کمزور ہوجائے گی۔

مگر شیعہ قوم نے اپنے طرز عمل سے ثابت کردیا کہ ان کی تحریک کسی جوش اور عارضی کامیابی کی امید پر نہیں ہے بلکہ ایک مستقل اصول کے ماتحت ہے اور جب تک اس اصول کے لحاظ سے ان کا مقصد پورا نہ ہوجائے وہ اپنی تحریک سے دستبردار ہونے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

حکومت نے بہت سی نرم گرم تدبیریں اس تحریک کو فنا کرنے کی اختیار کیں، مگر کسی میں کامیابی نہ ہوسکی۔ درمیان میں بہت سے ایسے مواقع آئے جن میں قربانیوں کی تعداد کم ہونے نے مخالف جماعت کے سینوں میں ایک لہر اس امید کی پیدا کردی ہوگی کہ اب یہ تحریک ختم ہورہی ہے۔ مگر نتیجہ نے اعلان کیا کہ وقتی حیثیت سے خود اختیاری کی کمی تھی جس کا کوئی اثر اصل تحریک کی قوت پر نہیں پڑتا۔

اس میں شک نہیں کہ شیعہ قوم نے پہلے پہل اس قسم کی جنگ میں قدم رکھا تھا، اس لئے تعجب نہ تھا کہ سیاسی حیثیت سے کچھ غلطیاں ہوں یا کچھ قدم بہکے ہوئے پڑیں، مگر جہاں تک قوت اقدام اور طاقت عمل کا تعلق ہے قوم شیعہ نے وہ کر دکھایا جو

دوسری قوموں نے باوجود اپنی نمایاں اکثریت کے پیش نہیں کیا۔

شیعہ قوم کی اقلیت نے ایک دن میں چھ سو کے قریب افراد جیل بھیج کر سول نافرمانی کا ریکارڈ توڑ دیا جس کا اعتراف انگریزی اخباروں نے بھی کیا۔ قوم شیعہ کے جو افراد اس سخت موسم اور تکلیف دہ زمانے میں جیل گئے ہیں ان میں سے اکثر معمولی حیثیت کے نہ تھے، ان میں علماء رؤسا، وکلا، تعلقداران، تعلیم یافتہ، طلّاب اور تجار، غرض ہر جماعت اور طبقے کے نمائندہ افراد تھے اور ایسے ایسے لوگ جیل کی چہار دیواری میں جا کر بند ہوئے جو ان دنوں خس کی ٹیٹوں اور بجلی کے پنکھوں کی راحت کے عادی تھے۔

اسی کا نتیجہ ہے کہ باوجود یکہ بہت سے افراد کے ساتھ بے انصافی بھی برتی گئی لیکن پھر بھی ایک کثیر التعداد جماعت کو حکومت بھی بی کلاس میں رکھنے پر مجبور ہوئی اور اسے ان کی ممتاز حیثیت کا عملی اعتراف کرنا پڑا۔

فرقہ شیعہ کی سی پاشاں اور پریشاں جماعت نے اس محاذ میں جس ہم آہنگی اور اتفاق عمل سے کام لیا ہے وہ بھی یاد رہنے کے قابل ہے۔ لکھنؤ کی حیثیت ایک قطب کی بن گئی جس پر تمام ہندوستان کا عالم شیعیت گردش کر رہا ہے اور تمام ملک ایک نقطے پر سمٹ آیا ہے۔

اس محاذ نے قوم شیعہ کو بہت سے گراں قیمت اور بیش بہا فائدے پہنچائے جن میں سب سے پہلا خود اپنے جذبۂ قربانی اور وقت عمل کا اندازہ ہے۔ یہ عجیب معاملہ ہے کہ ایک زندہ جماعت خود اپنے تئیں مردہ سمجھنے لگی تھی، اس کے افراد پر مایوسانہ خیالات اس درجہ غالب آ گئے تھے کہ وہ دنیا میں کسی کام کے کرنے کے لئے اپنے میں قوت ہی نہ سمجھتے تھے۔

اس محاذ نے خود افراد قوم کو بتلا دیا کہ تمہارے رگ و پے میں وہ زندگی ابھی تک موجود ہے جو کربلا کی عظیم قربانیوں نے پیدا کرنا چاہی تھی۔

دوسرا فائدہ:۔ قوم میں خود اعتمادی کا احساس پیدا ہوا۔ اس تلخ تجربے نے بتلا دیا کہ دوسری کسی جماعت پر بھروسہ کرنا اپنی زندگی کو فنا کے آغوش میں ڈال دینا ہے۔ انہوں نے یہ طے کر لیا کہ ہم کو اگر زندہ رہنا ہے تو اپنی قوت پر زندہ رہیں ورنہ زندگی کا خیال ہی دل سے نکال دیں۔

تیسرا فائدہ:۔ اس کے پہلے قوم کے مختلف طبقوں میں بے اعتمادی کی خلیج حائل ہو گئی تھی۔ نئی زندگی کے خواہشمند تڑپتے ہوئے احساسات کے حامل افراد طبقۂ علماء پر اکثر بے عملی کا الزام عائد کرتے تھے اس بنا پر کہ کوئی ایسا موقع نہ آیا تھا جہاں طبقہ علماء کی نظر میں کسی سخت اقدام کا محل ہوتا۔

دوسری طرف اس طبقے کے متعلق یہ بدگمانی تھی کہ ان کو مذہبی احساسات سے کوئی تعلق نہیں ہے، مگر اس محاذ نے دونوں طرف کی بے اعتمادی کو اعتماد سے تبدیل کر دیا۔ قوم شیعہ نے دیکھ لیا کہ ہمارے علماء کسی ایسے موقع پر جہاں وہ فرض کا اندازہ کر لیں عمل میں پیچھے نہیں ہیں۔ اور دوسرے طبقے کے افراد نے اپنے طرز عمل سے ثابت کر دیا کہ وہ مذہب کے معاملے میں اپنے تمام مقاصد کو پس پشت ڈال کر عوام کے دوش بدوش قربانی کر سکتے ہیں۔

چوتھا فائدہ:۔ قوم شیعہ موجودہ دنیا کے ان جنگ کے طریقوں سے عملی طور پر روشناس ہوگئی جن طریقوں سے دوسری قومیں اپنے حقوق تسلیم کراتی ہیں۔ اب ممکن ہے کہ کسی نظر میں موجودہ موقع اس قدر اہمیت نہ بھی رکھتا ہو لیکن یاد رہے کہ یہ جذبۂ عمل یا مشق قربانی جو پیدا ہوگئی ہے، ایک وقت میں انتہائی اہم مقاصد میں بھی صرف ہو سکتی ہے جو قوم کی زندگی کے لئے انتہائی ضروری ہوں۔

پانچواں فائدہ:۔ ملک میں افراد قوم جو منتشر اور پراگندہ تھے بلکہ جن میں کسی حد تک بعض حلقوں میں صوبہ وارانہ جدائی کا احساس پیدا کر دیا گیا تھا وہ بالکل شیر و شکر ہو گئے اور نام و نشان کو بھی بیگانگی باقی نہیں رہی۔ دنیا نے دیکھ لیا کہ یوپی کا محاذ اور اس میں پنجاب، سرحد اور سندھ کے مجاہدین جوش و خروش کے ساتھ ٹوٹے پڑ رہے ہیں اور یوپی کے مجاہدے کے اعلیٰ قائدین میں پنجاب کے مقتدر افراد ہیں۔

چھٹا فائدہ:۔ قوم شیعہ کو معاصر اقوام کی جانب سے برابر سبک صورت میں پیش کیا جاتا تھا، ان کی مردم شماری کو بہت زیادہ گھٹا کر دکھایا جاتا اور ان کی قوت عمل پر بھی حقارت کی نگاہ ڈالی جاتی تھی۔ مگر اس محاذ نے قوم شیعہ کی اصلی حیثیت کو نمایاں کر دیا، وہ جماعت جس میں سے چار ماہ کی قلیل مدت میں پندرہ ہزار افراد جیل جاسکیں اس کی تعداد ہندوستان میں زیادہ کم نہیں سمجھی جاسکتی۔

نیز یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اس قوم کے بھی سینوں میں دل اور دل میں احساس موجود ہے، اس لئے یہ اور بات ہے کہ کئے ہوئے کی لاج گذشتہ طرز عمل پر خط نسخ پھیرنے میں سدراہ ہو رہی ہو، مگر آئندہ آسانی کے ساتھ فرقۂ شیعہ کے حقوق کو اس طرح نظر انداز نہیں کیا جاسکتا جس طرح اب تک اسے ایک معمولی سی بات سمجھا جاتا ہوگا۔

ساتواں فائدہ:۔ قوم اپنے ان افراد کو پہچان گئی جو مقام عمل میں ثابت قدم نظر آسکتے ہیں اور ان تھوڑے سے افراد کو بھی سمجھ لیا جن کا جوش و خروش نتیجہ میں ثبات اور استقلال سے بیگانہ رہتا ہے۔ یہ کھرے کھوٹے کی سچی تمیز ایسے ہی مشکل امتحانات کے ذریعہ ہوتی ہے اور قدرت ہمیشہ اس طرح کے امتحان لیتی رہی ہے۔

آٹھواں فائدہ:۔ دلوں سے دنیا کی بڑی طاقتوں کا رعب دور ہوا۔ وہ چیز جو ملک کی ہمسایہ جماعتوں میں سوراج کی تحریک نے بیس برس میں پیدا کی تھی وہ قوم شیعہ کے افراد میں اس چند مہینے کی تحریک نے اس وقت پیدا کر دی، وہ قید و بند اور اس سے بھی سخت مصائب کو کوئی چیز نہیں سمجھتے اور اپنے حق کے مطالبے کے لئے بڑی سے بڑی طاقت سے مرعوب نہیں ہوسکتے۔

نواں فائدہ:۔ زمانۂ تعطل کے طولانی ہونے سے حقیقتاً قوی عمل میں جو کمزوری پیدا ہو گئی تھی وہ اس تیز جذبۂ عمل نے طویل عرصہ تک کے لئے دور کر دی اور واقعی رگوں میں ایک تازہ خون پیدا ہو گیا ہے جو از سر نو زندگی کا باعث ہے۔

دسواں فائدہ:۔ واقعۂ کربلا کی یادگار جسے فرقۂ شیعہ ہر سال قائم کیا کرتا تھا اسے غیروں کا ذکر نہیں اب بہت سے جدید خیالات رکھنے والے اپنے افراد بھی ایک غیر مفید رسمی چیز سمجھنے لگے تھے، اس محاذ نے فرقۂ شیعہ کو ایک مرتبہ پھر عزاداری کے عملی مفاد کا احساس کرا دیا اور معلوم ہوا کہ وہ حسینیت کا جذبہ جسے یادگار حسینی نے افراد قوم میں پیدا کیا ہے وہ صرف چند آنسوؤں کا بہہ جانا ہی نہیں ہیں بلکہ عظیم انقلابات کا پیش خیمہ ہوسکتا ہے۔

ان چند آنسوؤں ہی کی وہ طاقت تھی جس نے بنی امیہ اور بنی عباس کی قہار سلطنتوں کو دنیا سے حرف غلط کی طرح مٹا دیا، اور انہیں چند آنسوؤں سے پیدا شدہ جذبہ آج بھی دنیا کی قہار سلطنتوں سے مقابلہ کرسکتا ہے۔

گیارہواں فائدہ:۔ ہم اس امتحان سے قبل جب شہدائے کربلا سے خطاب کر کے "یا لیتنا کنا معکم فنفوز فوزاً عظیما" کہتے تھے تو اسے صرف زبانی حیثیت حاصل ہوتی تھی۔ اور ہمارا دل خود کہتا تھا کہ معلوم نہیں ہم اس وقت ہوتے تو حق وفا ادا کرتے یا نہیں، مگر اب جس وقت بھی ہماری زبان پر یہ الفاظ آئیں گے تو وہ حقیقی دل کی نکلی ہوئی صدا ہوں گے کیونکہ ہمارا احساس خود بتلائے گا کہ جب اس واقعہ کو اتنی طولانی مدت گزرنے کے بعد اس کے نام پر ہم اس حد تک کر سکتے ہیں تو ضرور اگر ہم اس وقت موجود ہوتے تو ہم بھی اپنی جان فرزند رسولؐ کے قدموں پر نثار کرتے۔

بارہوں فائدہ:۔ اس محاذ کے سلسلے میں روزانہ جن اجتماعات کا سلسلہ قائم رہا ہے اور جیل خانوں میں جن مختلف اقطاع اور اطراف ملک کے افراد کا یکجا قیام ہوتا ہے انہوں نے ان اجتماعات کو عموم شیعان ہند کی ایک متحدہ مرکزیت کی حیثیت دے دی ہے جن میں مختلف اور منتشر خیالات اور نظریات میں تبادلہ ہو کر مستقبل کے متعلق بہت سے ایسے لائحہ عمل طے پاتے ہیں کہ جو اس موجودہ تحریک کے بغیر ناممکن ہے۔

پھر آل انڈیا اجتماعات جو بھی منعقد ہوتے ہیں وہ مدت کے بعد صرف چند دن کے لئے ہوسکتے ہیں اور اس پر بھی ان میں اتنی عام نمائندگی ہر طبقے کی نہیں ہوسکتی جتنی اس تحریک کے سلسلے میں میسر آئی ہے۔ جیلوں میں قوم کے ہر طبقے کے مفید اور کارگزار

اشخاص نیز ہر قسم کے افراد کا سب نظر آئے ہیں جن سے قوم کی آئندہ تعمیری زندگی میں گراں قدر فوائد حاصل ہو سکتے ہیں۔

اس محاذ سے قوم شیعہ کو جو فائدہ پہونچا وہ اتنی نمایاں چیز ہے کہ جس کا دوسرے حلقوں میں بھی احساس کیا جانے لگا ہے۔ ملاحظہ ہو اخبار ''منادی'' مورخہ یکم اگست ۱۹۳۹ء جس میں خواجہ حسن نظامی صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

شیعہ ایکہ

اگر چہ مجھے شیعہ مسلمانوں کے بعض عقائد سے اختلاف ہے تاہم مولانا سید محمد صاحب دہلوی کے مقدمے اور لکھنؤ تبرا ایجیٹیشن سے یہ ماننا پڑا کہ جو تنظیم اور جو ایکہ شیعہ فرقے میں ہے سنی فرقے میں نہیں ہے، اسی لئے شیعہ فرقہ مستقبل میں ترقی کرنے والا فرقہ معلوم ہوتا ہے، مدح صحابہ کی تحریک نے شیعہ ایکے کو بہت مدد دی ہے، مدح صحابہ کے بانی کانگریسی مولوی ہیں جو احرار اور جمعیۃ العلما کے نام سے مشہور ہیں انہوں نے مدح صحابہ کی تحریک اس غرض سے شروع کی تھی کہ سنی مسلمان لیگ سے برگشتہ ہو جائیں، کیوں کہ مسٹر محمد علی جناح مسلم لیگ کے صدر اور زندہ کرنے والے شیعہ عقائد کے ہیں، کانگریس کا منصوبہ یہ تھا کہ کانگریس کے حامی مولوی مدح صحابہ کی تحریک شروع کریں گے تو مسلم لیگ کے سنی اپنے شیعہ لیڈر سے جدا ہو کر کانگریس میں آجائیں گے اور احسرار اور جمعیۃ العلماء کا سیاسی جتھا بڑھ جائے گا، مگر کانگریسی مولویوں کی یہ چال الٹی ہو گئی کیوں کہ سرو زیر حسن کے اثر سے جو شیعہ کانگریس کے حامی ہو گئے تھے وہ بھی کانگریس سے بیزار ہو گئے، یہاں تک کہ سرو زیر حسن بھی کانگریس سے الگ ہو گئے، فلسفیانہ اور نفسیاتی نظر سے سیاسی نتائج پر غور کیا جائے تو اس طرح مسلم لیگ کو کانگریسی مولویوں نے بہت فائدہ پہنچایا ہے اور شیعہ فرقے کو کانگریس سے جدا کر دیا ہے اور شیعہ فرقے کا ایکہ تو اس قدر مضبوط ہو گیا ہے کہ بے شمار سنی شیعوں کی یکجہتی اور تنظیم اور باہمی امداد کو دیکھ کر شیعیت کی طرف مائل ہو رہے ہیں۔''

اس تحریک کے سلسلہ میں ان سیاسی ہتھکنڈوں کے علاوہ جو قوم شیعہ کو ابلہ فریبی میں مبتلا کرنے کے لئے اختیار کئے گئے بعض خاص مواقع ایسے پیش آگئے جہاں قدم استقلال میں جنبش ہو جانا ناقابلِ تعجب نہ تھا، مگر ان مواقع پر جس استقلال کا مظاہرہ ہوا وہ حیرت انگیز تعریفی چیز ہے۔

۵/اور ۶/جولائی ۱۹۳۹ء کی وہ تاریخیں اس سلسلے میں یادگار ہیں۔ ۵ جولائی کو ۳۶ گھنٹے کا کرفیو آرڈر اور یہ انتظام کہ کوئی شیعہ اپنے گھر سے نہ نکلنے پائے مگر لکھنؤ کے در و دیوار شاہد ہیں کہ اس دن بھی ایجیٹیشن جاری رہا، اور علاوہ غیر معینہ مقامات کے جتھوں کے نکلنے کے خود اسی مقررہ جگہ سے مقررہ وقت کے اوپر محاذ حسینی کا جتھا روز کی طرح نکلا اور گرفتار ہوا، باوجودیکہ پولیس کا محاصرہ تھا اور اس امام باڑے کی کئی مرتبہ دن بھر میں تلاشی لی جا چکی تھی۔

دوسرا موقع ۶/جولائی کی لاٹھی چارج اور فائرنگ کا تھا، جس میں لاٹھیوں کی بارش اور گولیوں کی بوچھار میں حسینی جانباز صبر و استقلال کے ساتھ کھڑے رہے اور پائے استقلال میں جنبش نہ آنے دی۔ مشاہدے نے بتلایا کہ دوسرے روز محاذ حسینی کا اجتماع اور جوش و خروش پہلے دن سے بدرجہا زیادہ تھا، اور کسی قسم کی کمزوری پیدا نہ ہونے پائی تھی۔

یاد رکھئے کہ حکومت کی طرف سے جتنی کوششیں اس تحریک کو ختم کرنے کی ہو سکتی تھیں وہ سب تمام ہو چکی ہیں اور اب حکومت کے ترکش میں کوئی تیر باقی نہیں ہے، جمہور شیعہ کے سینوں میں جذبات کا سرمایہ ابھی اتنا موجود ہے جو مدتوں تک اس تحریک کو قائم رکھ سکتا ہے۔، اب یہ تحریک اگر خدانخواستہ ختم ہو سکتی ہے تو وہ ہمارے درمیان کسی پیدا شدہ اختلاف یا افتراق باہمی ہی سے، اس لئے افراد قوم صرف محاذ کے اس رخ سے باخبر رہیں تو نتیجہ کامیابی کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔

والسلام

سید ابن حسین نقوی

۲۱/جمادی الثانی ۱۳۵۸ھ

❀❀❀